اسلامی تحریک کی بنیادیں

سید اسعد گیلانی

فہرست عنوانات

صفحہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥

آج ہمارا مسلم معاشرہ زبردست تخریب و انتشار سے دوچار ہے۔ اخلاقی قدریں منہدم ہوتی جارہی ہیں، اخلاق کے پیمانے ٹوٹ رہے ہیں۔ اتحادِ ملّی افتراق کی طوفانی رَو کی زد میں ہے۔ تہذیب و شائستگی کی حدود پھاندی جارہی ہیں۔ سماجی اور معاشرتی دائرے سے اعتماد و احترام رخصت ہو رہا ہے۔ معاشی میدان میں کمزور آزادی ایک معمول بن چکی ہے۔ سیاست، انتظامِ مملکت اور تہذیب معاشرہ کا ذریعہ نہیں بلکہ جبر و تشدّد اور مظاہرۂ قوّت کا راستہ بن گئی ہے۔ غیر اسلامی تصوّرات و اثرات نے ہمارے پورے ملّی اثاثۂ اقدار پر دھاوا بول رکھا ہے اور ہماری زندگی کا اب کوئی شعبہ ایسا نہیں رہ گیا ہے جسے اخلاق و تہذیب کے پیمانے سے ناپیں تو اسے کسی درجے میں بھی اطمینان بخش قرار دے سکیں۔ محسوس ہوتا ہے کہ ہماری ملّت کی کشتی بلاکت خیز طوفان کی ہیبت ناک لہروں میں گھر گئی ہے بلکہ ہمارے قومی افتراق کی چٹان سے ٹکرا کر دو ٹکڑے ہو چکی ہے۔ کافر طاقتیں ہماری تباہی پر خوش ہیں لیکن ہم اب تک

باہمی جنگ و جدل میں مصروف ہیں اور اپنی ملّی خودکشی کے تدریجی عمل کو مسلسل پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے اپنی ساری قوتیں صرف کر رہے ہیں۔ اس کے نتیجے میں اب ہماری حالت مجسّم بحران کی سی بن کر رہ گئی ہے۔

ایک ہم ہیں کہ لیا اپنی بھی صورت کو بگاڑ
ایک وہ ہیں جنہیں تصویر بنا آتی ہے

اس پیہم اضطراب اور پریشانی میں مبتلا لوگ حالات کی سنگینی اور بحران کی شدّت میں عجیب عجیب باتیں سوچتے اور مضطرب ہو ہو کر کبھی خطوط لکھتے ہیں کہ موجودہ حالات میں تحریکِ اسلامی کو آگے بڑھ کر راست اقدام کرنا چاہیئے۔ کہیں سے تجاویز آتی ہیں کہ یہی وقت زبردست اقدام کے ذریعے اسلامی انقلاب برپا کرنے کا ہے۔ مختلف طریقوں سے بار بار اصرار کیا جاتا ہے کہ تحریک کو اُٹھ کر زبردست مہم چلانی چاہیئے اور اسلامی نظام کے قیام کے لئے عظیم جدّوجہد کا آغاز کر دینا چاہیئے۔ کارکنوں کے اجتماعات میں بھی نئے نئے کارکنوں کی طرف سے اس قسم کے تقاضوں کی کثرت سے تکرار کی جاتی ہے چنانچہ یہ ایک غور طلب مسئلہ بن گیا ہے کہ تحریک اسلامی کے نصب العین، قیامِ نظامِ اسلامی کے لئے موزوں ترین وقت کون سا ہے اور کیا ایسا مرحلہ واقعی سامنے ہے جب ذرا سی تاخیر بھی مہلک اور منزل کو دُور کر دینے والی ہو سکتی ہے۔

بعض لوگوں میں جذبات کی یہ تیزی اور یہ اندازِ فکر انتخاباتِ عام کے بعد خصوصًا پیدا ہوا ہے حالانکہ ان انتخابات میں صرف چند نشستیں ہی تحریک

کے لئے حاصل کی جا سکی ہیں۔ پھر یہ تقاضا بھی بیشتر ان حضرات کی طرف سے ہے جو اقامتِ دین کی اس جد وجہد میں حالیہ انتخابات کے سیاسی راستے سے ہی شریک ہوئے ہیں۔ ان میں بڑی تعداد پُرجوش نوجوان کارکنوں کی ہے جو تحریکِ اسلامی سے ابھی ابتدائی سی واقفیت رکھتے ہیں۔ وہ تربیت یافتہ کارکن جو گزشتہ برس ہا برس سے یہ کٹھن جد وجہد صبر و شکر سے سرانجام دیتے اور زندگی کی بہت سی آسائشوں کو مسلسل تج کر ایثار و قربانی کے راستے پر چلے جا رہے ہیں ان کی طرف سے یہ تقاضا نہیں ہے وہ حالات کو سمجھتے اور تحریک کی عدم تصادم کی پالیسی کو جانتے ہیں لیکن پرُجوش اور نئے کارکنوں کی طرف سے یہ تقاضا بہت شدید ہے کہ کسی بڑی مہم کا آغاز ہونا چاہیئے۔ تحریک کی طرف سے ملکی حالات کو سامنے رکھتے ہوئے ٹھنڈے اور دھیمے اور معقول انداز میں اپنے دعوتی کام کو مسلسل سرانجام دینے کے طرزِ عمل پر ان میں جھنجھلاہٹ کے اثرات پائے جاتے ہیں۔ درحقیقت یہ مسئلہ نہایت اہم ہے جس کے سارے پہلوؤں کو سامنے رکھ کر ہمیں تحریک کے مؤقف کو سمجھنا چاہیئے اور اگر ہمارے اندر دین اور اس کی اقامت کے لئے جد وجہد کرنے والے گروہ کے ساتھ تعاون اور ہمدردی کا جذبہ موجود ہے تو تحریک کے دیئے ہوئے لائحہ عمل کو بروئے کار لانے کے لئے اپنی توانائیاں، جوش و جذبہ، قوت اور جوانیاں صرف کرنی چاہئیں۔ صرف اسی صورت میں ہم دین کے لئے مفید اور نتیجہ خیز کام کر سکتے ہیں اور ہماری قوتیں اور توانائیاں تحریک کے لئے مثبت طور پر کام آ سکتی ہیں۔

اس مسئلے پر افہام وتفہیم سے پہلے ہمیں چند ابتدائی باتیں اپنے ذہن میں رکھنی چاہئیں۔

تحریک اسلامی کے چند پہلو

۱۔ ہر تحریکِ اسلامی انسان کی پوری زندگی میں بندگئ رب کے نفاذ کی دعوت لے کر اٹھتی ہے۔ وہ خدائی احکام کے نفاذ وترویج کی دعوت دیتی ہے چوں کہ احکام کا تعلق انسان کی شخصی اور اجتماعی زندگی کے دونوں پہلوؤں سے ہوتا ہے اس لئے وہ بیک وقت فرد، معاشرے اور حکومت کی اصلاح کے لئے اقدامات کرتی ہے، فرد کی اصلاح کے لئے اسے بنیادی طور پر بگڑے ہوئے معاشرے میں سے صرف وہی افراد چھانٹنے ہوتے ہیں جو اصلاح کو قبول کرکے اپنی عملی زندگی میں اسے نافذ کریں اس لئے اس کی رکنیت کے لئے اصلاح قبول کرنے والے اور اصلاح نہ قبول کرنے والوں کے درمیان امتیاز قائم رکھنا نہایت ضروری ہوتا ہے تاکہ جس نوعیت کے معاشرے کی تشکیل کے لئے وہ جدوجہد کر رہی ہے اس کا ہلکا سا نمونہ اس کی اجتماعی زندگی میں نظر آئے اور بندگئ رب کے اثرات تحریک میں شامل افراد کی زندگیوں میں نمایاں ہوں پھر انہیں افراد کی مدد اور تنظیم سے وہ معاشرے کی اصلاح کے لئے جدّوجہد کرتی ہے اور معاشرے کی اصلاح کے تناسب سے ہی حکومت کی اصلاح کی کوشش ممکن ہوتی ہے

۲۔ تحریک اسلامی ایک باطل نظام کے غلبے کی حالت ہی میں نمودار ہوتی

ہے تاکہ اس غلبے کو توڑ سکے۔ اسلامی نظام کی موجودگی میں اقامتِ دین کی کسی تحریک کی ضرورت نہیں ہوتی خود اسلامی حکومت اور اس کے کارپرداز ہی اسلامی تحریک کے کارکنوں کا کام کرتے ہیں۔ باطل نظام کے غلبے کی حالت کافرانہ معاشرے میں بھی ہو سکتی ہے اور بگڑے ہوئے نام نہاد مسلم معاشرے میں بھی۔

۳۔ خالص کافرانہ معاشرے میں باطل نظام کے خلاف جدّوجہد کرنے میں تحریکِ اسلامی کو یہ سہولت حاصل ہوتی ہے کہ اس کی دعوت کے نتیجے میں معاشرے کا جو فرد بھی اسلامی دعوت کو قبول کرتا ہے اپنی ذات، خاندان اور معاشرے سے پہلے مرحلے پر ہی لڑکر اپنا مخلص، جانثار، ایثار پیشہ اور بہادر ہونا ثابت کر دیتا ہے اور دعوت کو قبول کرنے کے اوّلین مرحلے پر ہی اس تحریک کے بہترین کارکنوں میں شامل ہوجاتا ہے۔ پھر جو کچھ تحریک اسے سکھاتی ہے وہ تن من دھن سے قبول کرتا چلا جاتا ہے۔ قیمتی سے قیمتی مفاد کو وہ تحریک کے لئے چھوڑ دیتا ہے اور بڑی سے بڑی آزمائش کی بھٹی سے وہ گزر جاتا ہے۔ خواہشاتِ نفس سے لے کر عالی شان محلّات تک کوئی اس کی راہ کا روڑا نہیں بن سکتے۔ لیکن بگڑے ہوئے مسلم معاشرے میں جہاں باطل نظام مسلّط ہو گیا ہو وہ مدعیانِ ایمان کی بڑی تعداد کو اپنے غالب اثرات کے ساتھ مصالحت کرنے کے نتیجے میں اس مقام پر لے آتا ہے کہ ان کی اصلاح کے لئے محض اقرارِ دعوت کافی نہیں ہوتا اس لئے کہ انحطاط کے جس مقام تک

وہ پہنچے ہوئے ہوتے ہیں وہ اقرارِ ایمان کے ساتھ ساتھ ہی پہنچے ہوئے ہوتے ہیں۔ تحریکِ اسلامی کو ایسے ایک مسلم معاشرے ہیں کام کرنے کی یہ ابتدائی سہولت ضرور حاصل ہوتی ہے کہ اسے اسلامی دعوت کے منکرین سے سابقہ پیش نہیں آتا اور کافی عرصہ کڑی آزمائش کے مراحل آنے تک لگ جاتا ہے لیکن ایسے معاشرے میں مخلص کارکنوں کی چھانٹی اور تیاری کے کام میں بہت دیر لگ جاتی ہے اس لئے کہ اقرارِ ایمان کے ساتھ جو منافیٔ ایمان اخلاقی بیماریاں انہیں لگی ہوئی ہوتی ہیں انھیں چُن چُن کر نکالنا نہایت مشکل اور طویل کام ہوتا ہے۔

۴۔ اسلامی نظام صرف اسی معاشرے ہیں قائم متصوّر ہوتا ہے جہاں اللہ اور اس کے رسول کے احکام اپنی پوری روح اور تفصیلات کے ساتھ نافذ ہوں اور اسے چلانے والے کارپرداز بھی اس کے پابند اور کاربند ہوں اور باطل نظام وہاں قائم ہوتا ہے جہاں اللہ اور اس کے رسولؐ کے علاوہ دوسروں کے احکام وقوانین کا نفاذ ہو چاہے انھیں چلانے والے نام نہاد مسلمان ہی کیوں نہ ہوں۔ تحریکِ اسلامی کا مقصدِ وجود ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے احکام وقوانین کا اجرا کرے۔ یہی مقصد ہر مسلمان کی زندگی کا فرداً فرداً بھی متعیّن کیا گیا ہے۔

تحریک اسلامی اور سیاسی جماعتیں

تحریکِ اسلامی کے بارے میں ان چند باتوں کی وضاحت کے بعد سب سے پہلے دیگر سیاسی جماعتوں کے بالمقابل تحریکِ اسلامی کے کردار کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔ کسی باطل نظام کے اندر جہاں تحریکِ اسلامی بھی کام کر رہی ہو اور دوسری سیاسی تنظیمیں بھی میدانِ عمل میں ہوں۔ ان دونوں کے فرق کو سمجھنا اشد ضروری ہے۔ اس لئے کہ ایک ہی میدان میں کام کرنے کے نتیجے میں بظاہر وہ یکساں نظر آتی ہیں اور سرسری نظر سے دیکھنے والا شخص دونوں کو ایک ہی نوعیت کی سیاسی جماعتیں شمار کر کے دونوں سے یکساں نوعیت کی توقعات باندھ لیتا ہے اور پھر نتائج کار کو مختلف دیکھ کر پریشانی کا شکار ہو جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ عام سیاسی جماعتوں اور تحریک اسلامی میں باہمی کوئی مماثلت نہیں ہوتی دونوں کی جنس الگ الگ ہے اور جس طرح دریائی گھوڑے اور صحرائی اونٹ میں باہمی کوئی موازنہ نہیں کیا جا سکتا اسی طرح تحریکِ اسلامی اور عام سیاسی جماعتوں میں بھی باہمی موازنے کے لئے کوئی شے بھی مشترک نہیں ہوتی۔ عام سیاسی جماعتیں غالب نظام باطل کی بہتر سے بہتر خدمت کا پروگرام بنا کر میدان میں آتی ہیں اور تحریکِ اسلامی اس نظامِ باطل کو اُکھاڑ پھینکنے اور ایک دوسرا نظام حق لانے کا داعیہ لے کر آتی ہے۔ اس لئے باطل نظام اور اس کے کارپرداز جانتے ہیں کہ ان کی بہبود اور مستقبل کی سلامتی کس گروہ کی کامیابی میں ہے ظاہر ہے کہ

ان کی ہمدردیاں فطری طور پر انہیں کے ساتھ ہوتی ہیں پھر دوسرے درجے میں وہ عوام ہوتے ہیں جو باطل کے تحت رہتے رہتے اپنے مزاج کے اعتبار سے باطل پسند یا کم از کم باطل کو گوارا کرنے والے بن جاتے ہیں۔ جن کے مفادات باطل نظام سے وابستہ ہو چکتے ہیں۔ جو باطل کے ماحول، فضا اور گرد و پیش سے پوری طرح مانوس ہوتے ہیں اور ان کو ہر وہ شے غیر مانوس اور اجنبی محسوس ہوتی ہے جو رائج باطل نظام کی مخالف یا اس سے متصادم ہوتی ہے۔ اس لئے وہ بھی تحریک کو سمجھے اور پرکھے بغیر اسی گروہ کی طرف جاتے ہیں جو اس مادّی نظام کی چاکری اور خدمت کے لئے آگے بڑھ رہا ہوتا ہے اس طرح بگڑے ہوئے معاشرے میں سے تحریکِ اسلامی اپنی محنت اور ریاضت سے جو کچھ چھانٹ لیتی ہے وہ تو اس کا ہوتا ہے باقی سب کچھ اپنے آپ اسی نظام کا ہوتا ہے جس کے تحت یہ معاشرہ جمع ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں باطل نظام کی پروردہ اور خادم سیاسی جماعتوں کو اپنے لئے بنے بنائے ووٹر، بنے بنائے عوام، بنے بنائے لیڈر اور زندگی کا ہر شعبہ بنا بنایا مل جاتا ہے صرف چند ہاتھ بدل جاتے ہیں۔ دوسری طرف اسلامی تحریک کو اپنی کامیابی کے لئے سب کچھ از سرِ نو بنانا پڑتا ہے اس کی اپنی قیادت، اپنے کارکن، اپنے انداز و اطوار، اپنے مقرّر اور اپنے سامعین، اپنا اندازِ بیان اور اپنا آہنگ غرض اسے سب کچھ از سرِ نو اپنا خود ہی بنانا پڑتا ہے۔ سیاسی جماعت کا مختصر کام ہے۔ اسلامی تحریک کا طویل، جان لیوا، صبر و طلب اور محنت طلب کام ہے۔ باطل نظام کی خادم سیاسی جماعتوں کو ڈگڈگی بجاکر نعروں اور وعدوں کے زور سے صرف انتخابی فیصلے تک لوگوں کو اپنی

طرف مائل کرنا اور سمیٹنا ہوتا ہے جب کہ تحریک اسلامی کو باطل کے مقابلے میں حقائق بیان کرکے دلائل کے ساتھ سچی سچی باتوں کے ذریعے مخاطب کو قائل کرکے اپنے ساتھ ملانا ہوتا ہے۔ اگرچہ قائل ہوکر آنے والا آدمی مضبوط اور پائیدار ساتھی رہتا ہے اور وعدوں سے مائل ہونے والا شخص جلد ہی ایفائے وعدہ سے مایوس ہوکر دوسری طرف لڑھک جاتا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ قائل تو اِکّا دُکّا افراد ہوتے ہیں اور مجمع کی نفسیات کو سامنے رکھ کر جھوٹے وعدوں کے زور سے اخلاق سے بے نیاز جماعتیں بڑے بڑے مجموعوں کو اپنی طرف مائل کرلیتی ہیں۔

تیز لب و لہجہ اور شدّتِ بیان کا مسئلہ

یہ بات بھی بڑی تکرار اور اصرار سے کہی جاتی ہے کہ دھیما اور معتدل طرزِ تخاطب کامیاب نہیں ہے۔ تحریکِ اسلامی کے لیڈروں کی تقاریریں لب و لہجہ کی شدّت بھرپور ہونی چاہیئے اور جلسوں میں شدّتِ بیان کا پورا پورا حق ادا کرنا چاہیئے۔ جن لوگوں کی غلطیاں بیان کی جائیں ان کے پرخچے اُڑا کر رکھ دیئے جائیں۔ دعوت کے مخالفین کو خوب جلی کٹی سنائی جائیں۔ ان کی ایک ایک غلطی چُن چُن کر بڑی قوّت، بڑی شدّت اور بڑی حِدّت و حرارت سے بیان کی جائے۔ اور تقریر کے زور سے دعوت کے مخالفین کو اڑا کر رکھ دیا جائے۔ ان کا خیال ہے کہ اس سے دعوتی جلسوں میں جان پڑتی ہے اور اس لب ولہجہ اور آہنگ کو لوگ پسند کرتے سمجھتے اور شیوۂ مردانگی شمار کرتے ہیں۔

یہ اندازِ فکر بلا شبہ ایسا مطالبہ کرنے والے ہمدردوں کے بارے میں بہت سی باتیں نمایاں کرتا ہے جس کی طرف تحریک کے ذمّہ دار حضرات کو ہر سطح پر پوری سنجیدگی سے اپنی پہلی فرصت میں توجّہ دینی چاہیئے اور ان حضرات کے نفسیاتی پس منظر کو سامنے رکھ کر ان کی تربیّت اور مزاج کے اصلاح کے لئے مناسب اہتمام کرنا چاہیئے۔ ظاہر ہے کہ اسلامی تحریک کے اندازِ تخاطب سے یہ مکمل ناواقفیت کی علامت ہے۔ مسلمان نہ کسی کے بے جا نام رکھ سکتا ہے نہ تنابز بالالقاب کر سکتا ہے۔ نہ جھوٹ اور مبالغہ آمیز بات کر سکتا ہے اور نہ ایکٹنگ کر سکتا ہے۔ اسے تو اچھے طریقے سے اچھی بات کہنے کی ہدایت کی گئی ہے اگر اسے تحریکِ اسلامی میں آ کر یہی کچھ کرنا ہے تو اس کام کے لئے بہت سی دوسری جماعتوں کے پلیٹ فارم بھی اس کے لئے موجود تھے۔ گالی، نام بگاڑنا، ایکٹنگ اور بے جا شدّتِ بیان تحریک اسلامی کے دائرۂ کار سے باہر ہے۔ اور نتیجہ کے اعتبار سے بھی اس راستے کی منزل اقامتِ دین نہیں ہے۔ ایسے مطالبے کے پیچھے دو پہلو نمایاں اور قابلِ غور ہیں۔

ا۔ یہ مطالبہ بیشتر ان پرُجوش لوگوں کی طرف سے اٹھتا ہے جو حالیہ انتخابی جدّوجہد میں اپنی سلیم فطرت اور اسلام پسندی کے سبب تحریک کی طرف جوش و جذبہ لے کر آئے ہیں لیکن تحریک کے اندر وہ ابھی نو وارد ہیں۔ انھیں ابھی تحریک کے مزاج، اطوار، اور افتادِ طبع بلکہ تحریک کی فکر، زبان، لغت اور لب و لہجہ سے پوری طرح شناسائی

نہیں ہے وہ تحریک کو ایک اچھی سیاسی جماعت سمجھ کر ادھر آ گئے، ہیں
ضرورت ہے کہ ایسے مخلص اور پرجوش حضرات کی قوّت کو تعمیری مقاصد
کے لئے استعمال کیا جائے اور انھیں اپنی صلاحیتیں تعمیری کاموں پر لگانا
سکھایا جائے۔ ان کی تعلیم و تربیت کی جائے۔ انھیں تحریک کی تاریخ،
اس کی جدّ وجہد کے مختلف مراحل اور اس کی افتادِ طبع سے آگاہ کیا جائے۔
اگر ان کو تحریک کے مطابق نظریاتی سانچے میں ڈھالنے کا فوری اور مؤثر عمل
شروع نہ کیا گیا تو وہ اپنے جوش و جذبے کے زور سے ان حدود کو بار بار
پھاندیں گے جن حدود کا اہتمام کرنا دعوتِ اسلامی کی فطرت اور طریقِ کار
میں داخل ہے یا تحریک کے معتدل مزاج کو اپنے مزاج سے ٹھنڈا محسوس
کر کے بددل ہو کر کسی دوسری طرف چلے جائیں گے۔

۲۔ ایسے مطالبوں کا دوسرا سبب اس گروہ کی کامیابی سے ذہنی مرعوبیت
بھی ہے جس نے لب و لہجے کے تشدّد، گالم گلوچ، الزامات و بہتانات،
شخصیت کے قتل (CHARACTER ASSASINATION) اور
بڑے پیمانے پر اخلاق باختگی کا مظاہرہ کر کے، جبر و تشدّد، دھاندلی،
غیر اخلاقی حربوں اور جوڑ توڑ سے اقتدار پر قبضہ کر لیا ہے۔ چنانچہ اس
گروہ کی قائم کی ہوئی فاشزم کی سنت اِن پُرجوش دوستوں کو بھی
یقین دلاتی ہے کہ سیاسی کامیابی کا یہی راستہ ہے اور یہ طریقہ اختیار
کیے بغیر مدلّل باتیں اور ٹھنڈی کوششیں محض تضیع اوقات
ہیں۔

لیکن غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ یہ انداز اختیار کرکے پھر تحریک اسلامی کی کامیابی واقعی تحریک اسلامی کی کامیابی ہی شمار کی جائے گی اور اس طور طریقے کو اختیار کرنے کے بعد پھر تحریک اسلامی کی ضرورت بھی باقی رہ جائے گی دنیا کی عظیم ترین تحریک اسلامی کو جو خدائی ہدایات دی گئی تھیں اور جن ہدایات کی پابند ہر وہ اسلامی تحریک ہے جو قیامت تک دنیا میں نمودار ہو ان کی روشنی میں تو کافروں تک کو وقت کا نبی ''اے میری قوم۔ اے قوم کے اکابر'' کہہ کر خطاب کرتا ہے اور اسے واضح ہدایت ہے کہ:

أُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ
وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۔ (النحل ۱۲۵)

''اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ، اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقے پر جو بہترین ہو''

ظاہر ہے کہ تحریکِ اسلامی جس اسلامی دعوت کی علمبردار ہے اس دعوت کو فریضہ قرار دینے والے مالک الملک نے اس دعوت کو پیش کرنے کا طریقہ بھی خود ہی بیان کر دیا ہے اور اس مخصوص طریقے کے سبب اسلامی تحریک دوسری سب جماعتوں سے ممتاز اور نمایاں قرار پاتی ہے۔ یہ طریقہ چھوڑ دیا جائے تو پھر دین دار قسم کے لوگوں کا ایک جھنجھلایا ہوا گروہ تو باقی رہ جاتا ہے جو غم و غصّے سے بھرا ہوا جو کلمہ منہ میں آتا ہے کہے جاتا ہے۔ لیکن وہ اپنے مزاج اور طریقۂ کار کے لحاظ سے تحریک اسلامی نہیں رہ جاتی۔ ظاہر ہے کہ یہ تو دعوت اسلامی

کو بٹہ لگانے کے مترادف ہے۔ خدا کے ہاں اپنی کہی ہوئی ایک ایک بات کی جواب دہی سے بے خوف مقررین کے گروہ کو اسلامی تحریک کے کارکن کہنا مشکل ہے۔ ان کی پیش کی ہوئی دعوت کو دعوتِ اسلامی کہنا دشوار ہے اور ان کے لائے ہوئے نظام کو اسلامی نظام سمجھ کر اس سے فلاحِ انسانیت کی امیدیں وابستہ کرنا بھی خیالِ خام ہے۔

دعوت اسلامی۔ صبر کا طویل راستہ

درحقیقت اسلامی دعوت کا راستہ صبر آزما اور طویل ہے اور جسے عجلت ہو اور اس کے لئے صبر مشکل ہو اسے یہ راستہ راس نہیں آتا ہے۔ ہر راستے کے لئے زادِ راہ ہوتا ہے اور اس راستے کا زادِ راہ ہی صبر اور توکل علی اللہ ہے۔ حسن البنّا شہیدؒ نے اپنے ساتھیوں کو تلقین کرتے ہوئے خوب بات کہی تھی۔

> "آپ کا راستہ ایک متعین راستہ ہے۔ مجھے پورا اطمینان ہے کہ یہ منزل تک پہنچنے کا سب سے زیادہ محفوظ راستہ ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ اس طرح آپ کا راستہ بہت طویل ہو جائے گا، لیکن اس کے سوا دوسری کوئی صورت بھی نہیں ہے مردانگی تو صبر کوشش اور مسلسل اور خاموش کام میں ہے۔ جو کوئی پکنے سے پہلے ہی پھل کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے وہ وقت سے پہلے ہی پھول توڑنے کی کوشش کرتا ہے۔ میں اس جلد بازی کے حق میں نہیں ہوں جس کو جلدی ہو اس کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ اس صبر آزما دعوت کو چھوڑ کر دوسری جماعتوں کا رخ کرے جہاں اس کے جذبۂ عجلت

پسندی کی تسکین کا سامان ہو سکتا ہے۔ جو ہمارے ساتھ صبر سے
کام لیتا ہے اس کا اجر اس کے اللہ کے پاس ہے جو ضائع ہونیوالا
نہیں ہے۔ پھر یا تو کامیابی و کامرانی قدم چُومے گی یا مرتبہ شہادت
و سعادت سے بہرہ مند ہوں گے۔"

دعوت کے اس سارے کام میں جو بات کسی لحظ فراموش نہیں کی جا سکتی وہ یہ ہے کہ ہم کس کا کام کر رہے ہیں اور جس کا کام کر رہے ہیں وہ ہمارے اس کام سے باخبر ہے یا بے خبر ہے اور باخبر ہے تو وہ غالب، ملکوں کا مالک، اور اجر دینے پر قادر ہے یا نہیں ہے۔ اگر غالب وہی ہے تو پھر وہ جب چاہے گا کامیابی کا راستہ کھول دے گا۔ مزدور کا کام تو یہ ہے کہ وہ اپنے آقا کا کام اپنی مزدوری کی ضمانت کے ساتھ برابر کرتا رہے اور ظاہر ہے کہ مالک الملک کا کام کرنیوالوں کے لئے مزدوری کی ضمانت موجود ہے۔

صبر کے اس طویل راستے کی طرف خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی رہنمائی فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکّہ کے پُرصعوبت ماحول میں کئی برس سے دعوت اسلامی پیش فرما رہے ہیں اور ہر طرف سے انکار و تکرار پر اصرار ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دیوار کعبہ سے ٹیک لگائے تشریف فرما ہیں۔ اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جانثار ساتھی جن کے مصائب زبان زدِ عام ہیں تشریف لاتے ہیں اور اسلامی تحریک کے کارکن کی حیثیت سے ایک مشہور و معروف سوال کرتے ہیں۔ وہ زخموں سے چُور گریبان چاک، تشدّد کا نشانہ مجسم سوالیہ نشان بنے ہوئے کھڑے ہیں۔ "حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم اسلامی نظام

کب آئے گا۔ مصیبت کے یہ دن کب کٹیں گے؟"

یہ سوال سُن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ تمتما اُٹھتا ہے جیسے حضورؐ کو اپنے جانثار ساتھی کا یہ کلمہ ناگوار گزرا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دیوارِ کعبہ کی ٹیک چھوڑ کر سیدھے بیٹھ جاتے ہیں اور اس طرح فرماتے ہیں:

"ارت کے بیٹے خباب، ابھی سے گھبرا گئے۔ تم سے پہلے جن لوگوں نے یہ کام کیا ان میں سے بعض کو تو لوگوں نے گڑھے کھود کر زمین میں گاڑ دیا اور پھر آرے سے چیر کر دو ٹکڑے کر دیا۔ بعض کو گاڑ کر لوہے کی کنگھیوں سے ان کا گوشت اور ہڈیاں الگ کر دیئے گئے اور تم ابھی سے گھبرا گئے ہو"

اور پھر وقفہ کے بعد فرمایا:

"ایک وقت آئے گا جب اللہ کا دین سربلند ہوگا اور ایک معمولی عورت بھی ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سونا اُچھالتی چلی جائے گی لیکن تم بے صبری کرتے ہو"

صبر — مسلسل کام — آزمائش میں ثابت قدمی، مخالفتوں کے مقابلے میں شرافت۔ گالیوں کے بدلے میں دعائیں۔ اللہ کے دین کی اس راہ میں پہلے بھی یہ زادِ راہ لے کر ہر مسافر چلتا رہا ہے۔ تاریخ کے ہر دور میں جس کسی نے دعوت اسلامی کو اپنی منزل بنایا اور رضائے الٰہی کو اپنا مقصودِ زندگی ٹھہرایا

اس کا یہی طرزِ عمل رہا ہے۔

حضرت انس بن مالک سے ترمذی نے روایت کی ہے کہ:

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آزمائش جتنی سخت ہوگی اتنا ہی بڑا انعام ملے گا بشرطیکہ آدمی مصیبت سے گھبرا کر راہِ حق سے بھاگ نہ کھڑا ہو اور اللہ تعالیٰ جب کسی گروہ سے محبت کرتا ہے تو اس کو مزید نکھارنے اور صاف کرنے کے لئے آزمائشوں میں ڈالتا ہے۔ پس جو لوگ اللہ کے فیصلے پر راضی رہیں اور صبر کریں تو اللہ ان سے خوش ہوتا ہے اور جو لوگ اس آزمائش میں اللہ سے ناراض ہوں تو اللہ بھی ان سے ناراض ہو جاتا ہے"

اس راستے میں تو بدی کو نیکی سے رفع کرنے کی تلقین کی گئی ہے فرمایا:

وَلَا تَسْتَوِى الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ، اِدْفَعْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ ۔

(حم السجدہ ۳۴)

"نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں۔ تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو"

صبر و حکمت اسلامی تحریک کا بنیادی طرزِ عمل ہے۔ تحریک کا دَور تیاری سخت آزمائشوں سے بھرپُور ہوتا ہے اور اس دَور میں تحریک کے ہر کارکن کے لئے یہی حکم ہے کہ وہ ہر مصیبت کے مقابلے میں صبر سے کام لے اور مستقل مزاجی

سے اپنے طریقے پر قائم رہے۔ حضورؐ نے اپنے ایک ساتھی سے خود فرمایا کہ اسلام کے سلسلے میں سب سے جامع بات یہ ہے کہ:

قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ ثُمَّ اسْتَقِمْ (مشکوٰۃ)

"آمنت باللہ کہو اور پھر اس پر جم جاؤ"

حضورؐ کی اسلامی تحریک کا مکّی دَور اس کی بہترین مثال ہے۔ وہ بڑے بڑے جوان مردانِ اسلام جنھوں نے بعد میں روم و ایران کو فتح کیا اور قلعہ خیبر کے دروازے کو اپنی قوّتِ بازو سے اُکھاڑ دیا۔ جنہوں نے بدر کے اندر کفّار کے پہلوانوں کو ککڑی اور کھیرے کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ وہ مکّے کی گلیوں میں گھسیٹے مارے اور لہو لہان کئے گئے لیکن صبر کی مُہر ان کے لبوں پر اور استقامت کی قوّت ان کے قدموں میں قائم رہی اس لئے کہ انھیں ابھی راست اقدام کا حکم نہ ملا تھا اور نہ ابھی تحریک بزن کے لئے پوری طرح تیار تھی۔ ابھی تو سونے کو تپا تپا کر کُندن کیا جا رہا تھا۔ ابھی تصادم کے لئے متوازن اور متناسب قوّت جمع نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ انہی دنوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ساتھی کو گزشتہ دَور کے ایک نبی کا قصہّ سُنایا جس قصّے میں خود حضورؐ کی اپنی تمثیل موجود تھی۔ حضورؐ نے فرمایا:

"وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ دعوت دینے کے جُرم میں ایک نبی کو اتنا مارا گیا کہ لہو لہان کر دیا اور نبی کا حال یہ تھا کہ وہ اپنے چہرے سے خون پونچھتے جاتے اور یہ کہتے جاتے اے اللہ میری قوم کے اس جُرم کو معاف کر دے یہ ناواقف لوگ

اصل حقیقت کو نہیں جانتے۔"

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مکّے سے مدینے کی نقل مکانی نے اس عظیم اسلامی تحریک کے سامنے دَورِ ضعف اور دَورِ قوّت یا دوسرے الفاظ میں عدم مزاحمت یا قوّت کے عدم استعمال اور استعمالِ قوّت کے فرق کو پوری طرح نمایاں کر دیا اور مدینے کی نقل مکانی راست اقدام کے لئے واضح علامت بن کر سامنے آگئی۔ لیکن جب ایسی کوئی واضح علامت کسی تحریک کے سامنے موجود نہ ہو تو اسے راست اقدام کرنے کے لئے ہزار بار سوچنا لازم ہے اس لئے کہ تحریک اسلامی کوئی ایسا کھلونا نہیں ہوتی جسے بچے کی طرح جب چاہے ٹکڑے کر کے توڑ پھوڑ دیا جائے اور جب دل چاہے بنا لیا جائے۔ یہ ایک ایسی امانت ہے جو صدیوں بعد کسی مخلص مسلم گروہ کے حوالے ہوتی ہے۔

تحریک کے ساتھ چلتے ہوئے خدا کی راہ میں صبر و استقامت کی تلقین کرتے ہوئے خود خالق کائنات نے فرمایا:

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۖ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ ۗ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ۝

(البقرہ ۲۱۴)

"کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یوں ہی جنت کا داخلہ تمھیں مل جائے گا حالانکہ ابھی تم پر وہ سب کچھ نہیں گزرا ہے

جوتم سے پہلے ایمان لانے والوں پر گزر چکا ہے۔ان پر سختیاں
گزریں۔مصیبتیں آئیں۔ ہلا مارے گئے حتیٰ کہ وقت کا رسول
اور اس کے ساتھی اہل ایمان چیخ اُٹھے کہ اللہ کی مدد کب
آئے گی ـــ اس وقت انھیں تسلی دی گئی کہ ہاں اللہ کی مدد
قریب ہے۔"

ہمارے دور کے عظیم قائد تحریک اِسلامی مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی
نے ۱۹۶۳ء میں ایک جابر حکومت کے جبر و تشدّد کی چلتی ہوئی گولیوں کے درمیان
کھڑے ہو کر اپنے ساتھیوں سے خطاب کرتے ہوئے کیا خوب کہا تھا:

"میرے عزیز ساتھیو۔ اللہ کے دین کے لئے جس کو کام کرنا
ہو اس میں دو صفتیں ضرور ہونی چاہئیں ایک صبر دوسرے
حکمت۔ صبر کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کی راہ میں جو رکاوٹ بھی ڈالی
جائے اس پر نہ تو مشتعل ہو کر آپ ذہن کا توازن کھو بیٹھیں اور
نہ دل شکستہ ہو کر اپنے مقصد کے بجائے رکاوٹ ڈالنے والے
کا مقصد پورا کریں بلکہ ہر رکاوٹ پیش آنے پر آپ کا عزم
جُوں کا تُوں قائم رہنا چاہیئے اور جذبات کی گرمی سے اپنے دل ودماغ
کو محفوظ رکھ کر آپ کو وہ راہ اختیار کرنی چاہیئے۔ جو حکمت
کے مطابق ہو۔"

پھر آگے چل کر حکمت کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

"حکمت یہ ہے کہ آپ بس ایک ہی لگی بندھی راہ پر آنکھیں

بند کر کے چلنے کے عادی نہ ہوں بلکہ آپ میں یہ صلاحیت ہو کہ ایک راستہ بند ہوتے ہی دس دوسرے راستے بروقت نکال لیں جس شخص میں حکمت نہیں ہوتی وہ ایک راہ کو بند پاکر بیٹھ جاتا ہے اور اس کے ساتھ اگر بے صبر بھی ہو تو پھر یا تو اس رکاوٹ سے اپنا سر پھوڑ لیتا ہے یا راہ روی سے ہی باز آجاتا ہے مگر جسے اللہ نے حکمت اور صبر دونوں سے نوازا ہو وہ جوئے رواں کی طرح ہوتا ہے جس کی منزل کوئی چیز بھی کھوٹی نہیں کر سکتی چٹانیں مُنہ دیکھتی رہ جاتی ہیں اور دریا کسی اور طرف سے اپنی منزل کی طرف بہہ نکلتا ہے۔"

پھر بند راستوں کے مقابلے میں کام کے دوسرے راستوں کی وضاحت کرتے ہوئے کہا:

"ہمارے لئے اپنا پیغام پہنچانے اور اپنی دعوت پھیلانے کی بس یہی ایک صورت نہیں ہے کہ ہم جلسوں میں تقریریں کریں اور ہزاروں آدمی انھیں سُنیں۔ یہ تو کام کی ایک صورت ہے۔ آپ تین تین چار چار آدمیوں کے وفود کی شکل اختیار کر کے علاقے میں پھیل جائیں۔ گھر گھر اور دکان دکان اور مسجد مسجد جائیے۔ فرداً فرداً لوگوں سے ملیئے۔ ایک ایک شخص کو بتائیے کہ جماعت اسلامی کیا ہے۔ اس کا نظام کیا ہے۔ اس کا مقصد کیا ہے۔ اس کا طریق کار کیا ہے۔ وہ کن چیزوں کی اصلاح کرنا چاہتی ہے اور کن بھلائیوں

کو قائم کرنا چاہتی ہے ـــــ جو لوگ بحث میں الجھنے کی کوشش کریں ان سے اُلجھے بغیر گزر جائیے۔ آپ کا طریقہ اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ کی ربانی ہدایت کے مطابق ہونا چاہیے۔ آپ کی زبان شیریں ہو۔ آپ کے اخلاق پاکیزہ ہوں۔ آپ کا برتاؤ شریفانہ ہو۔ آپ بُرائی کا جواب بھی بھلائی سے دیں اور اپنی زبان ہی سے نہیں اپنے رویئے سے بھی یہ ثابت کر دیں کہ آپ فی الواقع بدی کی جگہ نیکی قائم کرنے والے ہیں۔ اس کے بعد یقین رکھیے کہ اللہ کی رحمت آپ کے ساتھ ہوگی اور جتنا کام آپ کریں گے اس سے زیادہ کام اللہ کے فرشتے آپ کے ساتھ مل کر کریں گے۔"

اب آپ دورِ نبوت کی اسلامی تحریک میں سے حکمت کی مثال لیجئے۔ یہ مثال صُلح حدیبیہ ہے۔ کفار مزاحمت پر آمادہ ہیں۔ مسلمانوں کی نفری اپنی تعداد، حالات، محل وقوع اور قوت کے لحاظ سے ناکافی ہے اور تبلیغ دین کے لیے نئے نئے راستے نکالنے کی ضرورت ہے۔ قائدِ تحریک کفّار کی مزاحمت پر طرح دے جاتے ہیں۔ بعض شرائط صلح بظاہر مسلمانوں کو ناپسند ہیں اور کمزوری کا نشان نظر آتی ہیں لیکن قائد تحریک آئندہ کے وسیع تر تبلیغی امکانات پیدا کرنے کے لئے صُلح اور مصالحت کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ قرآن صلح و مصالحت کی اس کارروائی کو فتح مبین قرار دیتا ہے اور واقعی وہ فتح مبین بن کر رہتی ہے۔ تحریک کو ایک بڑے دشمن کے ساتھ مستقل تصادم سے چند دنوں کے لئے نجات

مل جاتی ہے جس سے فائدہ اٹھاکر متعدد چھوٹی بڑی فتوحات، قبائل سے معاہدات اور تبلیغ کے ذریعے تحریک کے لئے کامیابی کے بے شمار دوسرے امکانات روشن ہو جاتے ہیں۔ جوش و جذبہ اور حکمتِ کار کا باہمی تعلق متوازن اور معقول ہوتو تحریک کا کام بڑھتا ہے۔ جوش و جذبہ نہ ہو صرف حکمت ہو تو راستہ طویل اور سفر بوجھل ہو جاتا ہے صرف جوش و جذبہ ہو اور حکمت نہ ہو تو تحریک راستے میں آنے والی کسی بھی چٹان سے سر پھوڑ کر ختم ہو جاتی یا میلوں دور پیچھے چلی جاتی ہے جوش و جذبہ کی مثال پٹرول کی سی ہے۔ پٹرول کے ڈرم کو بیک وقت آگ لگا دیجئے تو وہ تباہی کا سامان ثابت ہوگا اور گاڑی کے انجن میں ڈال کر تھوڑا تھوڑا کنٹرول کے ساتھ استعمال کیجئے تو طویل منزلیں بھی مختصر ہوتی چلی جائیں گی۔

تحریک اسلامی اور اس کے کارکنان

اس مرحلہ پر یہ مسئلہ بھی غور طلب ہے کہ کیا ہر اجتماعی جدّ وجہد کے لئے ایک ہی طرز کے پر جوش، فعال، متحرک اور جاندار کارکن کام دے جاتے ہیں یا ہر تحریک اپنے لئے اپنی طرز کے مخصوص کارکن تیار کرتی ہے اور اپنے مطلوبہ نظام کو لانے اور اپنے متعیّن مقصد تک پہنچنے کے لئے علیٰحدہ علیٰحدہ قسم کے کارکن تیار کرتی ہے۔ اس بات کا جواب بہت آسان ہے۔ اشتراکیت ایک معاشی تحریک ہے اس کے لئے وہی لوگ درکار ہیں جو زندگی کے ہر مسئلے کو روٹی کپڑا اور مادّی مفاد کی نظر سے ہی دیکھیں اور اس کے علاوہ مسائل کو پرکھنے کا کوئی دوسرا پیمانہ وہ قبول نہ کریں اور اس سانچے میں ڈھلے ہوئے ہوں جو اشتراکی نظام دیتا ہے۔ اسی طرح کسی بھی ملک میں سیاسی جماعتوں کا واحد

مقصد حصولِ اقتدار ہوتا ہے اس لئے وہ ہر مسئلے کو اسی نظر سے دیکھتی ہیں کہ اقتدار پر قبضہ کرنے کے لئے مختصر ترین راستہ کون سا ہے تاکہ موجودہ نظام کی خدمت اور اپنے کارکنوں کو سیاسی فائدہ پہنچانے کا کام وہ کر سکیں۔ اس کے مقابلے میں اسلامی تحریک اپنی فکر اور مزاج کے لحاظ سے ایک اخلاقی تحریک ہے وہ اپنے کارکنوں میں اسلام کا فہم اور اسلام کی اطاعت اور عمل کا اہتمام پیدا کئے بغیر ان سے کوئی مثبت کام نہیں لے سکتی اور ایسے لوگ جو ان باتوں سے اپنی عملی زندگی میں عاری ہوں چاہے کتنے ہی پُرجوش نعرے اسلام کے حق میں لگائیں ان کے ہاتھوں سے اسی طرح اسلامی نظام نافذ نہیں ہو سکتا جس طرح ہمارے ملک کو قائم کرنے والی جماعت، اسلامی نظام کا نعرہ لگانے کے باوجود اسلامی تربیت یافتہ کارکنوں کے فقدان کے سبب اسلامی نظام قائم کرنے میں ناکام رہی۔

یہ تحریک اپنا ایک مخصوص مزاج رکھتی ہے جو شخص اسلامی تحریک کے ساتھ اس لئے چلا آیا ہے کہ یہاں وہ اپنے معاشی مفادات کا سب سے پہلے تحفظ کر سکے وہ یہاں ہر چیز کو معاشی نقطۂ نظر سے ہی دیکھے گا اور طبقاتی کشمکش کا ماحول بنا کر ذرائع پیدا وار پر قبضہ کرنے کی اسکیم ہی بنائے گا۔ ایسا کارکن اسلامی تحریک کے کام کا نہیں ہو سکتا۔ جس کارکن کا مقصد اقتدار پر قبضہ کر کے سیاسی اور مادّی مفادات کا جلد از جلد حصول اپنے احباب کو اعلیٰ مناصب تک پہنچانا ہو اس کا مقام بھی اسلامی تحریک نہیں بلکہ ملک کی کوئی بھی دوسری سیاسی جماعت ہے۔ لیکن جس شخص کا مقصد اِسلامی نظام کو اس کی ساری برکات کے ساتھ نافذ کرنا

اور اس جدّ و جہد کو اپنے خدا کے پاس اپنا کارنامۂ زندگی بنا کر پیش کرنا ہو اس کے لئے ناگزیر ہے کہ وہ مطالعۂ لٹریچر کے ذریعے پہلے تحریک اسلامی کو سمجھے. اس کی تاریخ پر نظر ڈالے۔ اس کے داعی کے کردار اور اس کی ساری جدّ و جہد کا مطالعہ کرے۔ اس تحریک کا اصل مقصدِ وجود جانے اور اسلامی نظام قائم کرنے والے کارکنوں کی مانند اسلامی نظام کے تمام تقاضوں کو اپنی انفرادی زندگی، بول چال، گفتگو، چال ڈھال غرض ہر چیز میں نمایاں کرے۔ یہاں تک کہ اس کو دیکھ کر ہی ہر شخص کہہ سکے کہ اس شخص کا تعلق لازماً تحریک اِسلامی سے ہے۔ درحقیقت اسلام کے سانچے میں ڈھلے ہوئے کارکن ہی اسلامی نظام قائم کرسکتے ہیں۔ اور اس سانچے کو توڑ کر خود اپنی ہی خواہشات کے سانچے بنانے اور ان میں ڈھلنے والے کارکن شاید اور تو کچھ کرسکیں لیکن اسلامی نظام کی تعمیر و تشکیل کا کام ہرگز نہیں کرسکتے۔ یہ بات ہر اس کارکن کو سمجھ لینا چاہیئے جس کے پاس متاعِ اخلاص موجود ہے اور اس پونجی کے ساتھ وہ تحریک کے ساتھ وابستہ ہوا ہے۔

حالیہ انتخابات نے پرُجوش کارکنوں کی ایک بہت بڑی کھیپ اِسلامی تحریک کی گود میں ڈال دی ہے۔ اس کھیپ نے تحریک اسلامی سے اپنی شناسائی سیاسی میدان میں ہی حاصل کی ہے ان کے ذوق، افتادِ طبع اور وجدان نے تحریک کو اپنے لئے پسند کیا ہے لیکن انھوں نے تحریک کا صرف سیاسی پہلو ہی دیکھا ہے۔ ابھی انہوں نے تحریک کا اخلاقی، دینی، سماجی اور للّٰہیت پر مبنی کردار کا رُخ نہیں دیکھا ہے۔ وہ نعرے سُن کر تو آگئے ہیں اور سخت محنت کر کے اپنے آپ کو تحریک کا مخلص کارکن بھی ثابت کر چکے ہیں لیکن

ابھی انھوں نے تحریک کا تربیتی پہلو نہیں دیکھا ہے تاکہ ان کے اخلاص کے ساتھ تحریک کے لئے ان کی اہلیت کا اضافہ بھی ہو سکے۔ یہ کام تحریک کے ذمہ دار لوگوں کا ہے کہ وہ ہر سطح پر درجہ بدرجہ نئے کارکنوں کی تربیت کا اہتمام کریں اور انہیں تحریک کا طاقتور ہراول دستہ بنا کر تیار کریں۔ تربیت کا یہ کام نہ ہوا تو قوم کا یہ طاقتور، فعال اور پُرجوش طبقہ جو ابھی ابھی تحریک کی طرف آیا ہے تحریک میں انتخابی دور کی سی ظاہری ہمہ ہمی میں کمی محسوس کر کے بد دلی کا شکار ہوگا اور تحریک کے حقیقی دعوتی کام کو سمجھے بغیر اسے سُست اور سیاسی میدان میں مقابلتاً کم فعال محسوس کر کے لوٹ جائے گا جس طرح اسلام کی عظیم فتوحات کے بعد نو مسلموں کی کثرت نے عرب کی عظیم عالمی اسلامی تحریک کے لئے تربیت کارکنان کا مسئلہ پیدا کر دیا تھا اسی طرح حالیہ انتخابات کے بعد تحریک اسلامی کو بھی نئے کارکنوں کی ضروری تربیت کا مسئلہ درپیش ہے اور تحریک کے پرانے کارکنوں کو پوری توجہ سے فرداً فرداً نئے کارکنان کو ہر جگہ اپنی زیر نگرانی لے کر تحریک کے لئے تیار کرنا اور انھیں ضروری تربیت دینا ہوگا۔ یہ کام نہ ہوا تو تحریک کو سخت نقصان سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اس سلسلے میں تربیت کا کام نئے کارکنان کی نفسیات کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہوئے انجام دینا ہوگا جس طرح طبیب ایک ہی بوتل میں سے ہر مریض کو دوا نہیں دیتا اسی طرح ایک ہی لگے بندھے طریقے سے مختلف کارکنوں کی تربیت بھی ممکن نہیں ہوتی۔ اس کے لئے حکمت اور نفسیاتی طریقِ کار کا لحاظ رکھنا ہوگا۔ توحید اور اس کے لازمی تقاضوں سے آگاہی، خالص للہیت پر مبنی کام۔ اپنی زندگیوں میں سے غیر اللہ کی ہر نوعیت

کی قہر مانی کا خاتمہ، رسالت اور اس کی ہمہ گیر رہنمائی کو قبول کرنا، آخرت کا تصوّر اور اس میں جواب دہی کا مکمل شعور۔ یہ چیزیں تربیت کا اوّلین کورس ہونی چاہئیں۔ اس سلسلے میں داعئ تحریک اسلامی نے تربیت کارکنان کے لئے بڑی عمدہ رہنمائی کی ہے:

"آپ باہر کی مخالفتوں کی فکر نہ کریں۔ بلکہ ساری فکر اپنی کمزوریوں کو رفع کرنے کی کریں۔ اللہ سے اپنا تعلق بڑھائیے۔ اللہ سے محبت اور اس کا خوف دل میں جاگزیں کیجئے۔ ریا، فخر، نمود و نمائش اور خود غرضی سے بچئے۔ جو کچھ کیجئے، خلوصِ قلب کے ساتھ خالص اللہ کے لئے کیجئے اور اسی سے اجر کی اُمید پر کیجئے۔ دنیا میں آپ کی محنتوں اور کوششوں کا کوئی پھل بھی آپ کو نہ ملے بلکہ اُلٹا نقصان بھی ہو تب بھی بدی کو مٹانے اور نیکی کو قائم کرنے کے لئے جان، مال، وقت، قابلیت کسی چیز کو بھی کھپا دینے سے دریغ نہ کیجئے۔ آپس کے بُغض اور کدورتوں کو دل سے نکالیے اور محبت و خیر خواہی سے اپنی جماعت کے اندرونی رخنوں کو بھر کر ایک بنیان مرصوص بن جائیے۔ جماعت میں جو خرابی بھی کہیں پیدا ہو اس میں دوسروں کا قصور ڈھونڈنے کے بجائے یہ سوچیے کہ آپ کا اپنا قصور کیا ہے۔ آپ میں سے ہر شخص جب اپنے اپنے قصوروں کا تدارک اور اپنے اپنے فرض کو ادا کرے گا تو سب ہی کے قصوروں کا ایک

ساتھ تدارک ہو جائے گا۔ اور جماعت کے قدم اس سے زیادہ تیز چلیں گے جتنے اب ہماری کوتاہیوں کے باوجود تیز ہیں۔

تحریک اور مدّتِ کار

یہ بات بھی بار بار ہمارے مخالف تحریک کے حلقۂ اثر کے اندر شرارتاً ڈالتے ہیں اور کارکن ان کی نیّت پر غور کئے بغیر اخلاص کے ساتھ اس پر سوچنے لگتے ہیں کہ تیس سال سے ایک تحریک چل رہی ہے اور حصولِ اقتدار یا قیام نظامِ اسلامی کی منزل ابھی دُور نظر آتی ہے آخر کیا سبب ہے ؟ مثال میں وہ ایسی جماعتوں کے نام پیش کرتے ہیں جو بعد میں اٹھیں اور تھوڑے ہی عرصے میں اپنی منزل یعنی اقتدار تک پہنچ گئیں۔ یہ مغالطہ بھی تحریک کو سمجھے بغیر اسے ایک عام سیاسی جماعت خیال کرنے کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے۔ دوسری سیاسی جماعتیں لوگوں کو ہر تدبیر، ہر حربے، ہر مغالطے، دھوکے، جھوٹے وعدے اور مبالغہ آمیز لالچ دے دے کر اپنی طرف مائل کرنے کا کام کرتی ہیں لیکن ایک اسلامی تحریک لوگوں کو قائل کر کے ہی شعوری طور پر اپنے ساتھ لے سکتی ہے وہ نہ دھوکا دے سکتی ہے اور نہ ان کی حیوانی خواہشات کو ابھار کر اور ان کا شعو معطل اور ماؤف کر کے اپنے جال میں پھانس سکتی ہے۔ وہ تو انھیں قائل کر کے پورے فہم و شعور کے ساتھ ہی اپنے ساتھ ملا سکتی ہے۔ دھوکے سے آیا ہوا آدمی دھوکے کی قلعی کُھل جانے کے بعد شدید غصے کی حالت میں اتنی ہی تیزی سے واپس پلٹ جاتا ہے جس تیزی سے وہ آیا ہوتا ہے لیکن قائل ہو کر شعور کے ساتھ آیا ہوا آدمی کبھی واپس نہیں پلٹتا

اور ہر مشکل اور مصیبت کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہتا ہے۔ اس کے علاوہ مغالطوں، جھوٹے وعدوں اور دھوکا دہی سے کبھی اسلامی نظام قائم نہیں ہوسکتا۔

دوسرا پہلو کام کے نتیجے کا ہے۔ سیاسی جماعتیں موجودہ باطل نظام کو قائم رکھ کر اس کی خدمت کے لئے میدان میں آتی ہیں جب کہ تحریک اسلامی اس نظام کو ہمہ پہلو اکھاڑ اور ادھیڑ کر ایک دوسرا صالح نظام لانا چاہتی ہے۔ ان دونوں کاموں میں مدّتِ کار کا بنیادی فرق ہے ایک شخص تو ایک عمارت میں صرف چند دنوں کے لئے کمرہ کرایا پر لینا چاہتا ہے لیکن دوسرا شخص اس عمارت کو ہٹا کر اپنی نئی عمارت بنانا چاہتا ہے۔ دونوں کے کام کی مدت میں بھی فرق ہوگا اور ان کے کام کے نتائج میں بھی بہت بڑا فرق ہوگا۔

تیسرا اہم پہلو یہ ہے کہ کامیابی کو مہینوں اور سالوں کے ساتھ نہیں بلکہ معاشرے میں کئے ہوئے کام کے نتائج کے ساتھ ناپا جائے گا اس لئے کہ باطل پر فیصلہ کُن ضرب لگانے کے لئے کسی تحریک کو معاشرے میں سے کتنی بڑی ٹیم فراہم ہوتی ہے اور وہ ٹیم کس صلاحیت کی ہے، کن ذرائع ووسائل سے بہرہ ور ہے۔ یہ سب کچھ تبلیغی کام کے حقیقی نتائج اور افرادی قوت پر منحصر ہے۔ مثلاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے معاشرے میں سے اتنی نفری مل گئی کہ وہ چودہ سال کی مدّتِ تیاری گزارنے کے بعد باطل نظام پر کاری ضرب لگانے کے قابل ہو گئے لیکن حضرت نوح علیہ السلام ۹۵۰ سال معاشرے میں کام کے باوجود اتنی افرادی قوت نہ مل سکی کہ وہ نظام باطل

پر آخری ضرب خود لگا سکتے۔ اور اسلامی تحریک مطلوبہ صالح انقلاب خود برپا کر سکتی۔ چنانچہ ایسے متعفن، بوسیدہ اور ناکارہ معاشرے کو قدرت نے خود آگے بڑھ کر غرقِ آفتاب کر دیا۔ ایک باطل تحریک کے داعی مارکس نے ۱۸۴۹ء میں اشتراکی منشور پیش کیا اور اس کی تخریبی تحریک ۱۹۱۷ء میں پورے ۶۸ سال کے بعد اس قابل ہوسکی کہ معاشرے پر جبر و تشدد سے قبضہ کر سکے۔ اگرچہ اس کام کے لئے بھی اسے بہت سے اصول ترک کرنے پڑے۔
ان واقعات کی روشنی میں اجتماعی نفسیات سے آگاہ حقیقت پسند نظریہ نہیں دیکھتی کہ کسی تحریک کی مدّتِ کار کتنی ہے بلکہ یہ دیکھتی ہے کہ معاشرے میں سے افراد کار اسے کس تناسب سے ملے ہیں اور وہ تناسب نظام غالب پر ضرب لگانے کے لئے کافی ہے یا نہیں۔ اگر نفری کافی ہے تو لازماً ایک انقلابی ضرب لگائی جائے گی اور اگر تعداد کافی نہیں ہے تو افراد کو چھانٹنے اور اپنے ساتھ ملائے چلے جانے کے عمل کو مسلسل اور پیہم جاری رکھا جائے گا تاآنکہ معاشرے کے تناسب سے افرادی قوت کافی ہو جائے۔

تحریک اور اس کی قیادت

تحریکوں میں قیادت کا مسئلہ بھی بڑا اہم ہوتا ہے اور اگر کسی تحریک کو حوصلہ شکن حالات سے دوچار ہونا پڑے اور منزل کی مسافت لمبی نظر آئے تو بعض اوقات تھکے ہوئے کارکن یا پُرجوش انقلابی ساتھی تحریک کی قیادت کے بارے میں نااہلی، سُست روی اور حکمتِ کار سے عدم واقفیت اور نااہلیت کے وسوسے میں مبتلا ہونے لگتے ہیں۔ یہ انسانی فطرت کا ایک پہلو

ہے۔ اس سوچ بچار میں بعض اوقات تحریک کے حالات و کوائف سے عدم واقفیت کا دخل بھی ہوتا ہے۔ اس میں بے خبری بھی کام کرتی ہے۔ اس کا باعث یکساں تربیت کے مواقع کی کمی بھی ہوتا ہے۔ اس میں کسی تحریک کے لئے اس کے مزاج کے مطابق قیادت اور اس کے اوصاف سے ناواقفیت کو بھی دخل ہوتا ہے اور اس کا سبب تحریک کی بنیادی فکر سے عدم مطابقت اور اس کے نظریاتی اور صفاتی پہلوؤں سے بے خبری بھی ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ ہر نظریاتی تحریک کی قیادت ہی اس نظریہ کی فکری اور عملی لحاظ سے سب سے بڑی علم بردار ہوتی ہے اور وہ اس نظریئے کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہوتی ہے۔ نظریاتی تحریک کی قیادت کے لئے صرف جوش و جذبہ اور صرف جسمانی قوت و توانائی ہی کافی نہیں ہوتے بلکہ ایسی ہر صفت سے زیادہ اہم صفت اس نظریئے کی فکری بنیاد پر گہری نظر، اپنے نصب العین کے لئے ایثار و قربانی کا وسیع ریکارڈ اور اپنی تحریک کے مزاج و کردار سے مکمل مطابقت اور ہم آہنگی، ہوتی ہے جس طرح اِسلامی فوج کے لئے ایک معمولی سپاہی بھی مخصوص عقائد و عمل کا حامل مجاہد ہوتا ہے اسی طرح ایک اسلامی تحریک کا قائد بھی اس سے ہزار گنا زیادہ مخصوص نظریاتی صفات میں رنگا ہوا ہوتا ہے۔ مثلاً موجودہ اسلامی تحریک نے اپنے امراجماعت کے لئے مندرجہ ذیل اوصاف کو انتخابِ امارت کے لئے لازمی معیار قرار دیا ہے۔

ا۔ نہ وہ امارت کا خود اُمّیدوار ہو اور نہ اس سے کوئی ایسی بات ظہور میں آئی ہو جو یہ پتہ دیتی ہو کہ وہ امارت کا خود خواہش مند یا اس کے لئے

کوشاں ہے۔

۲۔ ارکانِ جماعت اس کے تقویٰ، علم کتاب وسُنّت، امانت و دیانت، دینی بصیرت، تحریک اسلامی کے فہم، اصابت رائے، تدبر، قوتِ فیصلہ، راہِ خدا میں ثبات واستقامت اور نظمِ جماعت کو چلانے کی اہلیت پر اعتماد رکھتے ہوں۔

ظاہر ہے کہ ان اوصاف کا تعلق کسی شخص کی عمر، امارت، نسب یا خاندانی وجاہت سے نہیں ہے۔

ایک نظریاتی اسلامی تحریک تو اپنے لئے معیاری کارکن بھی برس ہا برس کی مسلسل تربیت کے بعد تیار کرتی ہے۔ تحریک کے نصب العین سے آگاہی کا تفصیلی علم اسلام کے عائد کردہ فرائض کی پابندی اور منکرات سے اجتناب کا تدریجی عمل، چھوٹی چھوٹی کوتاہیوں کو انفرادی اور اجتماعی کوششوں سے دُور کرنے کی پیہم کوشش، تحریک کے داخلی ماحول اور حقیقی مسائل پر تحریکی زاویۂ نگاہ بنانے کا فہم وشعور اور وجدان۔ یہاں تک کہ کتابوں سے گزر کر خود ایک بولتی ہوئی کتاب بن جانے کا عمل اور تحریک کی چلتی پھرتی نشانی اور علامت بن جانے کا کام۔ یہ مراحل چند دنوں میں تو طے نہیں ہو جاتے اس کے لئے وقت لگتا ہے اور جس طرح انسان کا تجربہ سونے کی طرح قیمتی ہوتا ہے اسی طرح ہر تحریک میں باشعور پرانا آدمی سونے سے بڑھ کر قیمتی سمجھا جاتا ہے۔ اسی لئے قرآن نے ایسے لوگوں کے لئے سابقون الالون کی اصطلاح استعمال کی ہے اور خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا حال تو یہ تھا کہ وہ عرب کے بڑے بڑے نو مسلم سرداروں کی نسبت تحریک کے پرانے غریب کارکنوں پر

زیادہ توجہ دیا کرتے تھے۔ اور سرداروں سے کہتے تھے کہ جب تم رسول اللہؐ کی مخالفت کر رہے تھے تو ان لوگوں نے حضورؐ کا ساتھ دیا تھا۔ یہی ان کا سب سے بڑا اعزاز ہے۔

چاروں خلفائے راشدین پر نگاہ ڈالئے آپ دیکھیں گے کہ جس درجے میں وہ تحریک کے اندر پرانے، جہاں دیدہ، گرم و سرد چشیدہ ہر آزمائش میں آزمودہ اور ہر ایثار و قربانی دہندہ تھے اسی درجے میں وہ تحریک کے اندر آگے کی صفوں میں شمار کئے گئے۔ اسی طرح باطل تحریکوں کے قائدین بھی آپ دیکھیں تو آپ کو وہ عمر رسیدہ لوگ ہی نظر آئیں گے جنھوں نے میدانوں کے اندر بھی جنگیں لڑی ہیں اور کانفرنسوں کے اندر بھی جنگوں کے نتائج سے عہدہ برآ ہوئے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام ۹۵۰ سال کی طویل قیادتِ اسلامی کے باوجود اللہ کی طرف سے اس تحریک کے قائد ہی رہے اسلامی انقلاب لانے میں ناکامی کی بنا پر معطل یا ڈسمس نہیں کئے گئے۔ نظریاتی تحریک کی قیادت کسی سیاسی جماعت کی صدارت کی مانند نہیں ہوتی کہ اب فلاں ابن فلاں کو بھی موقع دیا جائے چونکہ وہ پُرجوش تقریر کرتا ہے۔ پُرجوش تقریر قیادت کی ممکن ہے کہ کسی درجے میں ایک صفت قرار دے لی جائے لیکن اسلامی قیادت کے لئے صبر و حکمت، تدبر، دانائی، فہم و فراست، ایثار و قربانی، زندگی کی ساری متاع کو اس راہ میں لٹا دینے کا داعیہ اور جذبہ اور بے خوفی و بے لوثی و بے غرضی کی دوسری صفات بھی اعلیٰ درجے میں مطلوب ہوتی ہیں۔ نظریاتی تحریکوں کی قیادت ہمیشہ نظریے کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ایثار پیشہ لوگ ہی کیا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ جمہوری اور شورائی نظام جماعت میں تبدیلیٔ قیادت

کی اضطراب انگیز تجاویز ایک غیر جمہوری بلکہ غیر فطری عمل ہے۔ جب تحریک کا ہر کارکن تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد اپنی ابتدائی شاخ سے لے کر مرکز تک کی قیادت کو اپنے ووٹ سے منتخب کرتا ہے تو اس طرح وہ ہر بار اپنے نئے اعتماد کا اظہار کرکے قیادتِ جماعت کی صلاحیت، اہلیّت اور معاملہ فہمی پہ اپنے اعتماد کی مُہرِ توثیق ثبت کرتا ہے۔ ایسی صورت میں مصنوعی طریقوں سے تبدیلیٔ قیادت کا تصوّر اگر کسی شخص میں جذبۂ خیر کے راستے سے بھی آئے تو بھی وہ شر پھیلائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اجتماعی کام میں ہر شخص کو اپنی انفرادی رائے کی قربانی دینے سے ہی اجتماعی حقوق کا وافر حصّہ ملتا ہے اور اگر کوئی شخص اپنی انفرادی رائے کو جبر یا کنویسنگ کے زور سے اکثریت پر ٹھونستا ہے تو اس میں جمہوری کی بجائے آمرانہ رجحان پایا جاتا ہے۔ یہ رجحان جمہوری اور شورائی نظام کے لئے سخت مہلک ہے اور اس رجحان سے خیر کا کوئی پہلو بھی برآمد نہیں کیا جا سکتا۔

ہر قیادت سے کوتاہیاں بھی ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ کامل قیادت تو سوائے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کی بھی نہیں ہو سکتی۔ کوئی شخص بھی غلطیوں سے محفوظ نہیں ہے۔ اس لئے اسلام کا شورائی نظامِ جماعت کی تجاویز، تدابیر اور مشوروں کی مدد سے انفرادی رائے کی کمزوریوں کو رفع کر دیتا ہے اور قیادت میں بھی جن صفات کی کمی ہوتی ہے کارکن اپنی ان صلاحیتوں کی پیش کش کرکے قیادت کی ان خامیوں کو دُور کر دیتے ہیں اس طرح وہ بنیانِ مرصوص وجود میں آتی ہے جس میں ہر اینٹ دوسری کو سہارا

دے رہی ہوتی ہے۔

یورپ کی طرف سے آیا ہُوا نوجوان قیادت کا تصوّر ایک ناکام، زوال پذیر اور آبرو باختہ تہذیب کا پیش کردہ تصوّر ہے جو قطعی غیر حقیقت پسندانہ ہے اسی لئے خود یورپ میں بھی اس نظریہ پر عمل درآمد کے لئے کوئی تیار نہیں ہے۔ یورپ سے درآمدہ تصوّرات کے بارے میں اب یہ ایک حقیقت ثابتہ بن چکی ہے کہ ہلاکت انسانی کے لئے مشین تیار کرنے میں یورپ چاہے کتنا ہی تیز رفتار ہو لیکن فلاحِ انسانیت کے لئے اس کے پاس کوئی نسخہ موجود نہیں ہے، یہ تہذیب کسی کی کیا رہنمائی کرے گی۔ خود اس تہذیب کے برگشتہ اور آوارہ گرد فرزند تلاشِ امن وسکون میں سرگرداں ہپّیوں کے ریوڑ کے ریوڑ بن کر مغربی تہذیب کے دیوالیے پن کا منہ بولتا ثبوت بنے ہوئے دُنیا کے گلی کوچوں میں پریشان حال پھرتے ہیں۔ ان کی صورت میں تہذیبِ مغرب کی تباہی وبربادی اور انسانی ذلّت ورسوائی کی منہ بولتی تصویریں ساری دنیا کے سامنے ہیں۔ نظریاتی قیادت تو کسی بامقصد گروہ کی اجتماعی جدّوجہد کی سربراہی کا عمل ہوتا ہے یہاں وہی شخص کام دے سکتا ہے جو سوچ بچار کے لئے دماغ رکھے، راہ ورسمِ منزل سے آگاہ ہو۔ اپنے نظریئے کو اپنے رگ وپے میں سموئے ہوئے ہو۔ عمل وکردار میں آزمودہ، پختہ کار اور ایثار وقربانی کا مجسمّہ ہو اور اس کی دیانت وامانت مسلمہ ہو۔ یہ صرف جسمانی توانائی اور جوش وجذبہ کا کام نہیں ہے یہ ذہنی اور فکری توانائی کردار کی مضبوطی، عمل کی پختگی، نظر کی وسعت، دُوراندیشی اور عظیم ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھا کر مستقبل کے اندھیرے کی طرف بصیرت کی روشنی میں اس طرح آگے

بڑھنے کا نام ہے کہ نہ کسی چٹان سے ٹھوکر کھائے نہ کسی کھائی میں گرے نہ کسی جانکاہ حادثے سے آسانی سے دوچار ہو، اور قافلے کو صحیح وسلامت لے کر منزل کی طرف آگے ہی آگے بڑھنے کا عمل بتدریج جاری رہے۔ کسی نظریاتی جماعت کی قیادت مضبوط گلے، بلند بانگ نعرے اور جوش وخروش کی تقریر وتجویز سے عبارت نہیں ہوتی۔ یہ فکر وکردار کی مضبوطی، ایثار وقربانی کی وافر مقدار اور صبر وحکمت اور فہم وفراست سے عبارت ہوتی ہے۔

تحریک اِسلامی اور راست اقدام

اِسلامی تحریک ہمہ پہلو ایک انقلابی اور عملی تحریک اس وقت بنتی ہے جب وہ اپنی تبلیغی سرگرمیوں سے جمع کی ہوئی افرادی قوّت کو نظام کی تبدیلی کے لیے استعمال کرتی ہے اور حکومت کو صالح بنانے کی کوشش کرتی ہے۔ یہی راست اقدام ہے کہ صلاح یافتہ قوّت کو باطل کے آخری قلعے پر حملے کے لئے استعمال کیا جائے اور اہلِ باطل کو یہ گمان باقی نہ رہے کہ تحریک اسلامی محض مبلغین کا کوئی گروہ ہے بلکہ یہ بات کھل کر سامنے آجائے کہ یہ تحریک سرفروش مجاہدینِ فی سبیل اللہ کا دستہ ہے۔ اور اس کا عزم باطل کو زندگی کے ہر گوشے سے بے دخل کر کے اسلام کو زندگی کے ہر زاویئے پر حاوی کرنا ہے۔

باطل کے آخری قلعے پر حملے کا کام نام نہاد مسلم معاشرے کے قائم کردہ جمہوری نظام میں تو لازماً جمہوری ہوگا۔ دوسری صورت میں ملک قوم اور نظام مملکت کے لحاظ سے جس جس نوعیت کے حالات ہوں گے اسی کے مطابق تحریک کی اجتماعی مشاورت اپنا طریق کار طے کرے گی۔ انقلاب قیادت یا دوسرے لفظوں میں

نیک لوگوں کے ہاتھوں میں حکومت منتقل کرنے کے اہم ترین کام میں ظاہر ہے کہ جمہوری اور عملی قوت کا استعمال ہی کرنا ہوگا۔ اسلامی نظام کے قیام سے بڑھ کر تختہ زمین پر اور کوئی بڑا نیکی کا کام نہیں ہے اور یہ عظیم ترین نیکی سرانجام دینے کے لئے اخلاقی حدود میں رہتے ہوئے زندگی کا ہر وسیلہ استعمال کرنا برحق ہے۔

نیک لوگوں کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور کا ہونا اسلامی انقلاب کے سارے عمل کا اہم ترین اور مؤثر ترین حصّہ ہے اس لئے کہ باطل کو ہٹا کر نظامِ حق سے بدل دینے کا سارا کام نیک لوگوں کے ذریعے ہی انجام پاسکتا ہے۔

اسلام، مسلمان معاشرے اور مسلمان قوموں کے ملکوں کی اخلاقی، معاشی، سماجی اور سیاسی تباہی کی تمام تر ذمّہ داری ان مہم جُو فاسق و فاجر، دھوکے باز، موقعہ پرست، نعرہ باز، فریب کار، اور بدکردار حکمرانوں پر عائد ہوتی ہے جو خلافت راشدہ کے بعد عموماً مسلمانوں پر جبر و تشدد سے مسلّط ہوتے رہے ہیں اور جس طرح باپ سے بیٹے کو جاگیر اور بھیڑوں کا گلہ وراثت میں منتقل ہو جاتا ہے اسی طرح شاہی گھر میں پیدا ہونے کے خوشگوار حادثے کے نتیجے میں بادشاہ باپ سے ولی عہد بیٹا ملک اور قوم کو وراثتاً حاصل کرتا رہتا ہے۔ اور اب اسی جبر و تشدّد کو جہاں جہاں ممکن ہو جمہوریت کا نام لے کر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ بہر حال مسلمانوں کی تاریخ بتاتی ہے کہ حضور اکرمؐ کی عظیم اسلامی تحریک کی جانگسل جدّ و جہد کے نتیجے میں جو اسلامی انقلاب عرب میں رونما ہوا اور جس کی روشنی سارے عرب میں دکھائی دی اس انقلاب نے بدترین رواجی قوانین کی بجائے اسلامی قوانین کا اجرا کیا۔ بدترین معاشرے کی اصلاح

کرکے اسے دنیا کا اعلیٰ ترین مہذب اور با اخلاق معاشرہ بنا دیا۔ جس کے مجرم بھی خود قاضیوں کے پاس جاکر اعترافِ جُرم کرتے تھے تاکہ آخرت کی رسوائی سے بچ سکیں۔ اور جو انقلاب بدکردار لوگوں کی بجائے قوم میں سے بہترین نیک نفس، خداترس اور شریف لوگوں کو اُبھار کر سربراہی کے مقام پر لے آیا۔ اور ان کا نام خلفائے راشدین یعنی ہدایت یافتہ رہنما رکھا اور سیاسی مملکتوں کی تاریخ میں پہلی بار نیک حکمران کا انقلابی نظریہ پیش کرکے دُنیائے سیاست میں حیرت انگیز انقلاب برپا کر دیا اور آئندہ کے لئے بھی یہ شرط لگا دی کہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ ۔ مسلمانوں میں نیک لوگ ہی رہنما ہوا کریں بدکردار لوگوں کے لئے مسلمان معاشرے میں رہنمائی کا مقام نہیں بلکہ ذِلّت و رُسوائی اور خجالت و شرمندگی کا مقام ہے۔ آج تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ زوال کی ابتدا میں مسلمانوں میں سب سے پہلے نیک لوگوں کے ہاتھ سے قوم کی سربراہی نکلی پھر اسی کے نتیجے میں معاشرے کا اخلاق تباہ ہوا۔ اور اس کے بعد بتدریج اسلامی قوانین بھی منسوخ ہوتے چلے گئے اور ان کی جگہ باطل طاغوتی قوانین کا اجرا ہوتا چلا گیا۔ اس امر سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بگاڑ کی اصل جڑ نیک لوگوں کے ہاتھ سے حکومت کا چلا جانا ہے اور جب ایک بار یہ تبدیلی واقع ہو جائے تو پھر مسلمان قوم کو تباہی و بربادی، ذلّت و رسوائی اور شکست و غلامی سے کوئی چیز نہیں بچا سکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری تمام تر ذلت و رُسوائی اور انحطاط و زوال کا باعث نیک لوگوں کی بجائے بُرے لوگوں کے ہاتھ میں مسلمانوں کی حکومت کا منتقل ہو جانا ہے۔ اس لئے ان بنیادی خرابی کو

قائم رکھتے ہوئے کوئی مادی ترقی، کوئی صنعتی تبدیلی، کوئی اعلیٰ تعلیم اور کوئی سائنسی ترقی کام نہیں دے سکتی۔ اس خرابی کے ساتھ مسلمان زوال کے گڑھے میں نیچے ہی نیچے اترتے چلے جا رہے ہیں۔ اس لئے کہ جس کسی کو کوّے کی رہنمائی میں سفر کرنا پڑے وہ کوڑے اور غلاظت کے ڈھیر تک پہنچ کر رہتا ہے۔

میرے خیال میں اسلامی انقلاب کے لئے بنیادی اہمیت کی بات حکومت پر صاحب نظریہ، اسلام کو زندگی کا مشن بنا کر کام کرنے والے مخلص اور نیک لوگوں کا قبضہ ہے بس اسلامی انقلاب کی ابتدا یہی ہے۔ صرا سی طریقے سے معاشرہ حقیقی اسلامی تغیّر سے دو چار ہو سکتا ہے۔ بُرے لوگوں کی جگہ نیک لوگوں کو لانے کا کام اصل اسلامی انقلاب کی طرف سب سے عظیم قدم ہے۔ اس کام کے لئے دونوں راستے ممکن ہیں: جمہوری طریقہ بھی اور انقلابی بھی۔ جو تحریک بھی ان دونوں میں سے کسی ایک راستے پر کام کرے گی اسے بہر حال مختلف مدارج میں سے گزرنا پڑے گا۔ تبلیغ، تنظیم، توسیع اور اقدام، اقدام بھی ایک ہی قسم کا نہ ہوگا یہ کام جمہوری جدّ وجہد میں انتخابات اور عوامی تائید کے ذریعے بھی ہو گا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہ وسلم کے دَور کی تحریک کے طریقے پر کام کرتے ہوئے عوامی تائید اور اسلامی قوّت سے بھی باطل کو زیر کیا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ طریقِ کار تو سیاسی حالات کی نسبت سے ہی اختیار کیا جائے گا۔ لیکن سب سے پہلے راست اقدام کا حقیقی مفہوم سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔

راست اقدام سے مراد کسی نظام کی تبدیلی کے لئے آخری مرحلے کی لڑائی کے میدان میں داخل ہونا ہے جہاں سے مخالف نظام کی آخری پناہ گاہ زد میں

آجاتی ہے۔ اس کے لئے طریقہ لازماً قوّت کے استعمال کا ہوگا۔ چاہے عوامی تائید کی جمہوری قوّت ہو یا انقلابی نوعیت کی حربی قوّت۔ لیکن اس قوّت کا استعمال بھی مختلف نوع کا ہوگا۔ مسلم لیگ نے ۱۹۴۶ء میں ہندو اور انگریز کو پاکستان کے راستے میں مزاحم قوّت دیکھ کر ایک تاریخ مقرر کر دی جس دن ان دونوں قوّتوں کے خلاف راست اقدام کیا جانا تھا۔ پورے ملک میں تہلکہ مچ گیا۔ لیکن راست اقدام یہ ہوا کہ اس روز جلسے منعقد کئے گئے۔ قرار دادیں پاس کی گئیں اور "لے کے رہیں گے پاکستان" کے جلوس نکالے اور مطالبے کئے گئے کانگریس نے ۱۹۴۲ء میں راست اقدام کیا اور انگریز سے کہا "ہندوستان چھوڑ دو" اور پھر ایک مقررہ تاریخ سے سول نافرمانی اور دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کر کے گرفتاریاں دینی شروع کر دیں۔

سوشلسٹوں کے طریقے پر خونی انقلاب لانے اور معاشرے کو خانہ جنگی میں جھونک دینے کے لئے سیاست کے اسلامی آدابِ جدّوجہد میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ فتنہ وفساد، معاشرے کی تباہی، اصلاح سے بڑھ کر بگاڑ اور نیکی اور بھلائی سے بڑھ کر بُرائی کا پھیل جانا کبھی بھی اسلامی تحریک کو منظور نہیں ہوسکتا اس لئے کہ اس طرح تو شیطان کے مقاصد پورے ہوتے ہیں۔ اسلام میں حربی قوت کے استعمال پر سخت شرائط اور پابندیاں ہیں، ظالم اور جابر لوگ تو اپنی گرفت کو مضبوط کرنے کے لئے زبان، علاقہ، مفاد اور نسل کے جھگڑے، کھڑے کر کے ہزاروں کو قتل کروا سکتے ہیں اور ان کی لاشوں پر اپنی فتح کے شادیانے بھی بجا سکتے ہیں لیکن ایک مصلح تحریک یہ کام کیسے کر سکتی ہے۔ جیسے معلوم ہے کہ ایک مسلمان کا خونِ ناحق بھی ساری خلقت کو ناحق قتل کر دینے کے

مترادف ہے اور یہ ناقابل معافی جرم ہے۔ حجاج بن یوسف کی طرز کے خونیں لوگ قتل و غارت گری سے ہی اپنی دھاک بٹھاتے ہیں لیکن قتل و غارت گری کے لئے سلامتی اور رحمت کے دینِ اسلام کو نہیں بھیجا گیا ہے وہ تو خلقِ خدا کی عزّت و آبرو اور جان و مال کا محافظ دین ہے۔

حضور اکرمؐ ۱۳ سال تک مکّے میں زبردست آزمائشوں میں سے گزرتے اور مار کھاتے رہے ان کے ساتھ بڑے بڑے خیبر شکن لوگ تھے لیکن پھر بھی تلوار کی قوّت کے استعمال کا حکم نہ تھا اس لئے ظلم و ستم سہتے۔ صبر و شکر کرتے اور آزمائش کی بھٹی سے گزر کر کُندن بنتے رہے۔ البتہ جب سرحد پار کر کے مدینے چلے گئے اور نقل مکانی نے ایک اِسلامی ریاست قائم کر کے ظلم سہنے کے زمانے اور ظلم کا جواب قوّت سے دینے کے دَور کے درمیان ایک واضح لکیر کھینچ دی تو پھر معرکۂ بدر بھی برپا ہوا۔

معرکۂ بدر میں تناسب قوّت ایک خاص انداز کا تھا جو استعمال قوت کے ذریعے انقلابی جدّ و جہد کرنے والوں کے لئے نہایت غور طلب مسئلہ ہے۔ قرآن نے اجازت دی کہ تم کو کفّار سے لڑنے کے بڑے ارمان تھے تو لو اب اجازت ہے کہ اللہ کی راہ میں جانیں ہتھیلی پر رکھ کر نکلو۔ پھر یہ بھی بتایا کہ اگر تم اعلیٰ صفت ایمان سے موصوف اور اعلیٰ مقام صبر و ایمان پر فائز ہو گے تو ایک ایک مومن کے مقابلے میں دس دس کافر بھی شکست کھا جائیں گے ورنہ دوسری صورت میں ایک ایک مومن دو دو کافروں پر بھاری ہو گا۔

إِن يَكُن مِّنكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ،

(الفال ۶۵)

"اگر تم میں سے بیس آدمی صابر ہوں تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے"

پھر معیار کم کر کے فرمایا:

فَإِن يَكُن مِّنكُم مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ،

(الفال ۶۶)

"پس اگر تم میں سے سو آدمی صابر ہوں تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے"

حضور اکرمؐ اپنا لشکر لے کر میدان جہاد میں تشریف لائے تو تناسب ایک اور تین کا تھا۔ یعنی اعلیٰ سے کم اور ادنیٰ سے زیادہ۔ یہی درمیان کا راستہ حضورؐ کا طریقہ تھا اور اس وقت یہی کچھ میسّر تھا۔ اللہ نے فتح و نصرت دے کر اس تناسب پر بھی اپنی مُہرِ تصدیق ثبت کر دی۔ اس کے بعد بھی اپنی پوری تاریخ میں مسلمان اسلامی نظام کی توسیع کے لئے جب کبھی کفّار سے بر سرِ پیکار ہوئے ان کا تناسبِ تعداد کفّار سے ہمیشہ کم ہی رہا ہے۔ حضورؐ کا پہلی بار مقرر کردہ تناسب ایک اور تین کا ہے۔ اگر اس سے یہ نتیجہ نکالا جائے کہ جب اسلامی تحریک جمہوری جدّ و جہد میں اسمبلیوں میں ایک اور تین کا تناسب حاصل کر لے تو اُسے جمہوری قوت کے ذریعے اسلامی نظام قائم کر لینے کا حق حاصل ہے اور وہ ایسا کر سکتی ہے اور جب قوم کے اندر وہ ایک اور تین تناسب سے مقبول ہو جائے اور

اس کے پیروکاروں کا یہ تناسب قوم میں تیار ہو جائے تو اسے عوامی قوت کے ذریعے معاشرے میں اسلامی نظام رائج کر دینے کا مقام اور اختیار حاصل ہو جاتا ہے۔ اس تناسب سے ابھی افرادی طاقت کم ہو تو اسے تبلیغ کے ذرائع سے اسے بڑھاتے رہنے پر ساری قوتیں، توانائیاں، جوانیاں اور جوش و خروش استعمال کرنا چاہیئے اور رابطۂ عوام کے ذریعے خلقِ خدا تک اپنی دعوت پہنچانے کا کام جاری رکھنا چاہیئے یعنی ابھی لوہا اتنا گرم نہیں ہوا کہ اس پر نتیجہ خیز ضرب لگائی جاسکے۔ اور ٹھنڈے لوہے پر ضربیں لگانے سے پریشانی اور ضیاعِ قوت تو ہوتا ہے لیکن نتیجہ کچھ نہیں نکلتا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغَالِبُوْنَ کے مطابق اللہ کی پارٹی ہی غالب آنے والی ہے لیکن اس کے لئے چند شرائط ہیں جنہیں پورا کئے بغیر اسلامی تحریک کبھی فولادی قوت کا استعمال نہیں کرسکتی۔

پہلی بات یہ ہے کہ فولادی قوت مسلمانوں کے خلاف استعمال نہیں کی جاسکتی۔ اس لئے کہ خانہ جنگی مسلمانوں کی دینوی تباہی اور آخرت کی بربادی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جن لوگوں کے خلاف جنگی قوت استعمال کی جاسکتی ہے، ان کے خلاف بھی پہلے مناسب اور مؤثر تیاری خود قرآن کے حکم کی رُو سے کرنا نہایت ضروری ہے۔

وَاَعِدُّوا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللهِ وَعَدُوَّكُمْ . . . .

(انفال ۶۰)

"اور جہاں تک تمہارا بس چلے زیادہ سے زیادہ طاقت اور بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلے کے لئے مہیّا رکھو تاکہ اس کے ذریعہ سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو خوف زدہ کرو . . ."

ظاہر ہے کہ تیاری اور قوّت کی فراہمی اور اس کے استعمال کے تین مدارج ہیں۔

۱۔ عقیدہ و ایمان کی قوّت

۲۔ وحدت و اتحاد و ارتباط و تنظیم کی قوّت

۳۔ زورِ بازو اور اسلحہ کی قوّت

جب تک ان تینوں قوّتوں سے درجہ بدرجہ کوئی اسلامی تحریک اس طرح تیار نہ ہو جس طرح کہ تیار ہونے کا حق ہے۔ اس کے لئے کس طرح جائز ہو سکتا ہے کہ وہ قوّتِ بازو کا استعمال کر کے اپنے اور دوسروں کے لئے تباہی اور مصیبت کا باعث بنے۔ استعمالِ قوّت کے لئے وصفِ قوّت سے آراستہ اور متصف ہونا بھی ضروری شرط ہے۔ ورنہ پھر یہ ہلاکت کا گڑھا اور دنیا و آخرت کی رسوائی ہے۔ تحریک اسلامی کا کام حکمت و دانائی کا کام ہے خالی خولی اندھی نعرے بازی اور سر پھوڑنے کا کام نہیں ہے۔ نتائج کا تخمینہ اور جائزہ لئے بغیر

قوّت کا استعمال ایسی ہلاکت ہے جس کا اسلامی تحریک کے طریقِ کار سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مار دھاڑ، لوٹ کھسوٹ، تباہی و بربادی، گھیراؤ و جلاؤ جیسے حربوں سے تحریکِ اِسلامی بھی اگر کام لے تو وہ تحریکِ اسلامی نہیں ہے۔ اور ان تدابیر کے ذریعے اگر وہ کوئی انقلاب بھی لے آئے تو وہ انقلاب اسلامی نہیں ہوسکتا۔

چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

"جنگ کی دو قسمیں ہیں جس نے اللہ کی خوشنودی پیشِ نظر رکھی، امام کے حکم کی پیروی کی۔ پاکیزہ مال خرچ کیا، ساتھی کے ساتھ اچھا معاملہ کیا۔ فساد سے پرہیز کیا۔ تو اس کا سونا اور جاگنا سب کا سب اس کے لئے اجر قرار پائے گا۔ لیکن جس نے محض فخر اور دکھاوے اور شہرت حاصل کرنے کے لئے جنگ کی۔ امام کی نافرمانی کی اور زمین میں فساد برپا کیا تو اس کے پلّے کچھ نہیں پڑے گا"

غرض اہلِ باطل کے خلاف فولادی قوّت کا استعمال کرنے کے لئے تحریکِ اسلامی پر کچھ پابندیاں ہیں اور وہ پابندیاں بعض شرائط پوری کرنے سے ہی اُٹھ سکتی ہیں۔ مکہ میں حالتِ ضعف میں تیرہ سال تک جنگ نہ کرنے اور مکہ سے نکل آنے اور اپنی مضبوط بُنیاد بنا لینے کے بعد جنگ کرنے کی اجازت مِل جانے سے بعض شرائط خود بخود سامنے آجاتی ہیں جن کا تذکرہ ضروری ہے۔

پہلی شرط یہ ہے کہ جن لوگوں کے خلاف راست اقدام یا مطالبۂ جہاد کرنے

والوں کے مفہوم میں اعلانِ جہاد کیا جائے ان پر پہلے اتمامِ حجّت کی حد تک تبلیغ کا
حق ادا ہونا ضروری ہے۔ اس درجہ تبلیغ کے بغیر کسی قوم یا حکومت کے خلاف
براہِ راست دعوتِ مبارزت درست نہیں ہے البتہ مدافعت کے لئے جنگ
ہو سکتی ہے۔ اور خلقِ خدا پر تبلیغ کے راستے کھولنے کے لئے بھی کافر جباروں کا
شکنجہ توڑنے کے لئے جنگ ہو سکتی ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ اسلامی نظام کے لئے جنگ نیک اور صالح گروہ
کے ذریعے سے کی جائے اور اس کی رہنمائی بھی نیک اور صالح افراد ہی کریں،
ان لوگوں کا فلاحِ انسانیت کے علم بردار اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے جہاد
کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا جو خود فساد برپا کرنے والے اور اخلاقی حدود سے بے نیاز
اور فتنوں میں ملوث اور آلودہ ہوں۔ یہ تو اسلامی نظام کی فطرت کا ہی تقاضا
ہے کہ اس کے برپا کرنے کی جنگ صرف اس کے مخلص معتقد اور وفادار
پیروکاروں کے ذریعے ہی لڑی جائے۔ جن کے سامنے رضائے الٰہی کے حصول
اور اقامتِ دین کے فریضہ کی ادائیگی کے سوا اور دوسری کوئی غرض نہ ہو۔
نہ دنیوی مفاد، نہ عہدے نہ مال و دولت نہ عزّت و جاہ اور نہ کوئی اور غرض
اور حد یہ ہے کہ نہ کسی خاص فرد کی شخصی عداوت۔ وہ اللہ ہی کے لئے بغض
اور اسی کے لئے محبت کا نمونہ ہوں۔ اس لئے جو لوگ اسلام کے لئے جنگ
کرنا چاہیں ان کے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے اپنے نفس سے جنگ
کر کے اسے اسلام کا تابع بنائیں پھر اسلامی مقصد کے لئے جنگ یعنی راست
اقدام کا نام لیں۔

تمام انبیا نے اپنے سارے جہاد مومنین کے ذریعے کئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کفّار قریش نے اقتدار کی جو پیش کش کی اُسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسترد کر دیا۔ چنانچہ جن صالحین کے ذریعے اللہ تعالیٰ تحریک اسلامی کی طرف اقتدار منتقل کرتا ہے ان کی تربیت کے لئے انہیں ان مراحل میں سے ضرور گزارتا ہے جن کا ان آیات میں ذکر کیا گیا ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ
وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ۝

(البقرہ ۱۵۵)

,, اور ہم ضرور تمہیں خوف وخطر، فاقہ کشی، جان و مال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کرکے تمہاری آزمائش کریں گے۔ ان حالات میں جو لوگ صبر کریں انھیں خوش خبری دے دو۔''

تیسری شرط یہ ہے کہ جنگ ایک بااختیار اور بااقتدار امیر کی قیادت میں لڑی جائے یعنی ایسا امیر جو اپنی جماعت پر بزور قوت شریعت کے احکام نافذ کرنے کی پوزیشن میں ہو اور وہ خود بھی خدا کے سوا کسی دوسرے بالاتر اقتدار کا محکوم نہ ہو۔ اس لئے حضرت سیّد احمد شہیدؒ نے جب جہاد کرنے کا فیصلہ کیا تو انگریز کے علاقے سے ہجرت کرکے سرحد کے آزاد علاقے میں تشریف لے گئے جہاں وہ پوری طرح ہر اقدام کرنے کے لئے آزاد تھے یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ انارکی نہ پھیلے اور جنگ کرنے والی

جماعت فتنہ و فساد برپا کرنے کے جرم میں مبتلا نہ ہو جائے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تحریک اِسلامی کے علمبردار اہلِ حق کے لئے لازم ہے کہ وہ معاشرے کے وسیع میدان میں اپنے افکار کے بیج بوتے چلے جائیں اور اپنی تبلیغی جدّ وجہد سے قوم کے اندر سے سعید رُوحوں کے چھانٹ چھانٹ کر اپنے ساتھ ملاتے چلے جائیں۔ اگر ان کی تعداد کافی ہو جائے جس کی تعداد میرے نزدیک جمہوری جدّ وجہد میں جمہوری اداروں کے اندر ایک تہائی ہے تو وہ ایک مضبوط نظریاتی گروہ کی حیثیت سے قوّت کے ساتھ اپنا مطلوبہ نظام نافذ کر سکیں گے۔ اگر جمہوری معاشرہ نہ ہو اور قوم کی ایک تہائی تعداد ان کے ساتھ مل جائے تو بھی وہ عوامی قوت سے نظامِ اسلامی کا اجرا کر لیں گے لیکن اگر اتمامِ حجّت کی حد تک کام کر لینے کے باوجود قوم سیدھے راستے پر نہ آئے اور اس قوم میں سے قابلِ ذکر تعداد صالحین کی برآمد نہ ہوا ور مزید صالح افراد کا نکلنا بھی بند ہو جائے تو بہتر ہے کہ ایسی قوم میں سے صالح افراد ہجرت کر جائیں اس لئے کہ اب وہ قوم کو تلوں کا انبار رہے جو خدائی عذاب کی بھٹی سُلگنے کے ساتھ ہی بھڑک اٹھے گا اور جل کر راکھ کا ڈھیر بن جائے گا لیکن اگر ایسا مرحلہ نہیں ہے بلکہ صالح افراد تیار ہو رہے ہیں قوم کے اندر ابھی صالحیت اور نیکی کی قدر موجود ہے اور تبلیغی کام کے نتیجہ خیز امکانات موجود ہیں صالح افراد کی یافت جاری ہے تو پھر اسلامی تحریک کو افرادی قوّت میں مسلسل اور تدریجی اضافے کے لئے مسلسل صبرآزما کام کرنا ہوگا اور قوّت کے ذریعے راست اقدام کے مرحلے کا اپنے کام کے نتائج کے تناسب سے مناسب وقت

کا انتظار کرنا ہوگا۔ جو شخص کچے پھل توڑتا ہے اس کے دامن میں تلخی اور نقصان کے سوا اور کچھ نہیں آتا۔ جو کارکن اپنے حصے کا تبلیغی اور رابطہ عوام کا صبر آزما کام کرنے سے جی چراتا ہے اور کردار سازی کی طرف توجہ دینے، تحریک کی دعوت پھیلانے، لوگوں کے اعتراضات اور سوالات کے جوابات دینے، اپنے قیمتی اوقات میں سے وقت نکالتے اور اپنے آرام کو تج کر تبلیغی ریاضت برداشت کرنے سے جی چُراتا ہے لیکن صرف تشدّد آمیز الفاظ، اشتعال انگیز نعرے اور جلسہ و جلوس سے ہی کام نکالنا چاہتا ہے وہ ابھی تحریکِ اسلامی کو نہیں سمجھا ہے۔ اور اس کا باشعور کارکن بھی نہیں ہے۔ اس کو دعوتِ دین کا کام سمجھایا اور سکھایا تو جا سکتا ہے لیکن اس کی تجویزیں تحریک کے لئے صحیح رہنمائی فراہم نہیں کر سکتیں۔

جو لوگ اسلامی تحریک کا کام کرنے کے لئے مردانہ وار آگے آئیں ان پر یہ بات تو واضح رہنی چاہیئے کہ اس تحریک کے ساتھ مالکِ کائنات کے خاص الخاص وعدے ہیں البتہ ان وعدوں کا مصداق اور مستحق بننا ضروری ہے، اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۔ (الانبیاء: ۱۰۵)

"بے شک زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے"

اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۔ (آل عمران: ۱۳۹)

"تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو"

نہیں اس سے کہیں آگے بڑھ کر بہت واضح انداز میں مومنین کے ساتھ

ان الفاظ میں سورۂ نور کے اندر مزید پختہ وعدہ کیا گیا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا۔ (النور : ۵۵)

"اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح اُن سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے، اور ان کے لئے ان کے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دے گا جسے اللہ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے، اور ان کی (موجودہ) حالتِ خوف کو امن سے بدل دے گا۔"